

Article

A Critical and Analytical Study of Sufi Ghulam Mustafa Tabussm's Ghazal

صوفی غلام مصطفی تبسم کی غزل کا تنقیدی و تجزیاتی مطالعہ

Dr. Shiraz Fazal Dad

Assistant professor, Department of Urdu, International Islamic University Islamabad

Correspondence: shiraz.fazal@iiu.edu.pk

ڈاکٹر شیراز فضل داد

اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ اردو، انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی، اسلام آباد

eISSN: 2707-6229

pISSN: 2707-6210

DOI: <https://doi.org/10.56276/72q2n267>

Received: 04-04-2024

Accepted: 08-07-2024

Online: 10-07-2024



Copyright: © 2023

by the authors.

This is an open-access article distributed under the terms and conditions of the Creative Common Attribution (CC BY) license

ABSTRACT: Sufi Ghulam Mustafa Tabbasum was an ocean of wisdom and Knowledge .He has good command over urdu, Persian and Punjabi poetry .His poetry has all colors of life .Sufi Ghulam Mustafa tabbasum was fond of classical Urdu and Persian poetry and his centre of attention was “Urdu Ghazal” in which he introduced new and unique ideas as well. This is the reason that his poetry won hearts of people and touched their souls. According to Sufi Ghulam Mustafa Tabbasum Ghazal is most popular and all time favorite genre of literature and it has all flavours of life .Sufi Ghulam Mustafa Tabbasum translated the Persian ghazals of Ameer Khusro, Ghalib and Iqbal in Urdu and Punjabi in artistic manner while preserving the beauty of their work

KEYWORDS: Iqbal, Diwan-e-Ghalib, Ameer Khusro, Translations of Poetry, Urdu Ghazal, Sufi Ghulam Mustafa Tabbasum

صوفی غلام مصطفیٰ تبسم متنوع ادبی جہات کے مالک تھے اور اپنی ذات میں ایک انجمن تھے۔ صوفی صاحب کی شاعری کے مختلف رنگ تھے اور ہر رنگ میں انھوں نے اپنی انفرادیت برقرار رکھی۔ کلاسیکیت اور جدت کا حسین امتزاج صوفی صاحب کے کلام میں نظر آتا ہے۔ شاعری میں صوفی صاحب نے غزل اور نظم دونوں میں اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوایا۔ اردو، فارسی اور پنجابی تینوں زبانوں کے قادر الکلام شاعر تھے۔ شاعری کا مادہ ان کے خمیر میں تھا جو مناسب آب و ہوا اور ماحول ملنے پر پروان چڑھتا گیا۔ صوفی صاحب کے شعری ذوق کو پروان چڑھانے میں ان کے استاد پروفیسر فیروز الدین طغرائی اور ان کے دوست محمد حسین عرشی نے اہم کردار ادا کیا اور مطالعے کی عادت نے ان کے کلام کو چنگی عطا کی۔ صوفی صاحب کے پاس لفظوں کا ایک خزانہ تھا جس میں سے وہ اپنے خیال کے مطابق نادر گلینے نکال نکال کر شعروں میں سجاتے جاتے تھے۔ صوفی صاحب کی شاعری ایک قوس قزح کی طرح ہے جس میں ہر رنگ کا شعر مل جاتا ہے۔

صوفی صاحب کا فارسی اور اردو کے کلاسیکی ادب کا مطالعہ بہت وسیع تھا۔ اس لیے غزل کی طرف ان کا میلان زیادہ رہا۔ صوفی صاحب کی غزل میں سادگی، برجستگی اور روانی کے ساتھ ساتھ ان کا جمالیاتی شعور بھی آشکار ہوتا ہے۔ ان کی غزل متنوع موضوعات کی حامل اور لطافت و نغسگی لیے ہوئے ہے۔ موسیقیت کا ایک رچا بسا احساس ان کی غزل کی نمایاں خوبی ہے۔ صوفی صاحب کی غزل کے بیشتر اشعار سہل ممتنع کی مثال ہیں۔

دیکھے ہیں بہت ہم نے ہنگامے محبت کے
آغاز بھی رسوائی، انجام بھی رسوائی!

ڈاکٹر علی محمد خان صوفی غلام مصطفیٰ تبسم کی غزل کے حوالے سے لکھتے ہیں:

اردو کی کلاسیکی روایت کا رچا ہوا ذوق رکھنے کے سبب کلاسیکی طرز کے شیدائی تھے۔ اس لیے جذبے کی تہذیب اور توازن آپ کے کلام میں کثرت سے نظر آتا ہے اور غزل چوں کہ بحیثیت صنف سخن جمالیاتی بعد اور نظم و ضبط کی متقاضی ہے۔ اس لیے وہ طبعاً اس صنف کی طرف زیادہ مائل تھے۔^۱

صوفی صاحب بڑی سے بڑی بات اور بڑے سے بڑے تجربے کو نہایت آسانی سے کہہ جاتے ہیں۔ ان کے نزدیک غزل کی ہیئت سے زیادہ غزل کے لیے رمز و ایمائیت اہم ہے۔ جذبہ اور جذبے کی صداقت ہی غزل کا حُسن ہے۔ ان کی غزل کی لطافت ہی تغزل کا باعث ہے۔ صوفی صاحب غزل کے حوالے سے اپنے نظریے کو اس طرح بیان کرتے ہیں۔

جذبے کا پھیلاؤ نظم ہے۔ خواہ محبت کا ہو یا کوئی اور، یہی جذبہ سمٹ کر غزل کے شعر میں آجاتا ہے تو وہ غزل ہے۔ تغزل ایک اسلوب بیان ہے۔ غزل اور تغزل میں ہر دور میں تبدیلی ہوتی رہی ہے۔^۲

صوفی غلام مصطفیٰ تبسم نے غزل کے روایتی اسلوب کو اپنائے رکھا۔ توانی، ردیف، لفظیات اور فکر و فن کے نئے نئے تجربات بھی کیے۔ غزل صوفی صاحب کی پسندیدہ صنف رہی۔ یہی وجہ ہے کہ وہ تمام عمر غزل کہتے رہے اور ان کی غزل کا رچاؤ بھی کبھی کم نہ ہوا۔

زبان کی مٹھاس، نرمی اور گداز نے ان کی غزل میں ایک خاص تاثیر اور لوچ پیدا کی۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی غزل ہر طبقے میں مقبول رہی۔ حمیدہ شاہین صوفی صاحب کی غزل کا تجزیہ کرتے ہوئے کہتی ہیں:

ان کی غزل کے مجموعی مطالعے جو اوصاف سامنے آتے ہیں ان میں ترنم کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ موسیقی، نغمگی اور غنائیت کو غزل کے اوصافِ جمیلہ میں وہ نمایاں مقام حاصل ہے جس کی بنا پر غزل خواص کے دائرے سے نکل کر عوام کی صفوں بلکہ ان کے دلوں تک رسائی پاتی ہے۔^۴

صوفی صاحب رمز شناس اور دلوں کی زبان سمجھنے والے انسان تھے۔ اس لیے اس بات کو بھی سمجھتے تھے کہ موسیقیت اور نغمگی ہی ان کی غزل کو عوامی گیت بنا سکتی ہے۔ صوفی صاحب کی غزل کی سادگی و شگفتگی نے اسے عوام اور گیت نگاروں میں مقبولیت عطا کی۔ سادگی و سلاست، شاعر کی قادر الکلامی اور فنی پختگی کی دلیل ہے اور یہ سادگی و سہل نگاری بڑے شاعروں ہی کے حصے میں آتی ہے۔ صوفی صاحب کا دلنشین اسلوب، نرم و لطیف لہجہ اور ترنم ان کی غزل کا انفرادی رنگ تخلیق کرتے ہیں۔

کتنے آغازِ محبت دیکھے
کتنے انجامِ وفا بھی آئے^۵

کیا دل کا عجیب ماجرا ہے
اک ساز ہے اور بے صدا ہے^۶

سو بار چمن مہکا سو بار بہار آئی
دنیا کی وہی رونق دل کی وہی تنہائی^۷

صوفی صاحب سمجھتے تھے کہ غزل ایسی صنف ہے جو ہر دور میں مقبول رہی ہے اور جدید عہد کی فضا بھی غزل کے لیے سازگار ہے۔ ملاحظہ کیجیے صوفی صاحب اپنے الفاظ میں معاصر عہد میں غزل کی مقبولیت کے اسباب و محرکات کی وضاحت کس طرح کرتے ہیں:

بہر حال جو جاذ بیت غزل میں ہے اور جس کی بنا پر اس کے مقبول ہونے کا رجحان روز بروز بڑھ رہا ہے اس سے انکار نہیں ہو سکتا۔ سوچ بچار کا مادہ بڑھ رہا ہے۔ سائنس کا دور، فکر طرازی زندگی کی پیچیدگیوں کا بڑھنا، تعلیم کی عمومیت اور وقت کی تنگی میں ایجاز و اختصار پسندی کا بڑھتا ہوا احساس یہ سب چیزیں غزل کے حق میں سازگار ہیں۔^۸

صوفی غلام مصطفیٰ تبسم کی غزل غمِ جاناں اور غمِ دوراں سے عبارت ہے۔ ان کے نزدیک غمِ جاناں، تلخیِ دوراں کی شدت کو کم کرنے اور جینے کا سہارا بھی ہے۔

تلخیِ روزگار میں ڈوبی
 کتنی شیریں تھی تیرے پیار کی بات^۱
 ایک آنسو سا مچلتا سر مڑگاں کیوں ہے
 غمِ جاناں میں یہ رنگِ غمِ دوراں کیوں ہے^۲
 یہ دور اگرچہ دورِ غمِ روزگار ہے
 کچھ لوگ اب بھی ہیں غمِ جاناں سے آشنا^۳

صوفی صاحب کے ہاں غمِ دوراں یا غمِ زمانہ کا تجربہ کئی سطحوں پر ملتا ہے۔ سماجی زندگی کی تلخیاں، غمِ روزگار اور ان کے ذاتی المیوں نے ان کو فکری سطح پر بہت شدت سے متاثر کیا اور یہ اثرات ان کے کلام میں جا بجا نظر آتے ہیں۔ درد و غم کے اس تصور نے ان کی غزل کی لفظیات و تراکیب کو بھی متاثر کیا۔ صوفی صاحب کی غزل میں چشمِ نم، چشمِ گریہ، چشمِ عمگسار، فغانِ چشمِ تر جیسی تراکیب ان کے درد و غم کی کیفیت کا اظہار کرتی ہیں۔

اک طوفاں ہیں غم کے آنسو روکے سے کب رکتے ہیں
 قطرہ قطرہ ضبط کیا تھا، دریا دریا پھوٹ رہے^۴
 سنے قہقہے تو سُن لو یہ فغانِ چشمِ تر بھی
 کہ ہے داستاں میں شامل یہ حدیثِ مختصر بھی^۵

صوفی صاحب زندگی کو ایک دشوار گزار رہزرتصور کرتے ہیں لیکن زندگی کے غموں کو مسکرا کر جھیلنے کا فن بھی جانتے تھے۔ ان کو اس بات کا کامل یقین تھا کہ انسان غم کی تاریکیوں سے چھٹکارا تب ہی پاسکتا ہے جب وہ خود اپنے حصے کی روشنی کو تلاش کرنے کی کوشش کرے۔ زندگی کی کش مکش ہی زندہ رہنے کا باعث ہے اس لیے انسان کو اپنی ہمت اور جہدِ مسلسل سے غموں کا مقابلہ کرنا چاہیے۔ زندگی جیسی بھی ہو اس میں جہدِ مسلسل سے رنگ بھرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

کیا ہوا جو ستارے چمکتے نہیں، داغ دل کے فروزاں کرو دوستو
صبحِ عشرت پریشاں ہوئی سو ہوئی شامِ غم تو نہ ویراں کرو دوستو^{۱۴}

صوفی غلام مصطفیٰ تبسم کے نزدیک زندگی کا تصور ہی یہی ہے کہ زندگی غم و خوشی، روشنی و تاریکی اور بہار و خزاں کے رنگوں سے عبارت ہے۔ ہر انسان اپنی استطاعت کے مطابق ان رنگوں کو اپنی زندگی میں شامل کر سکتا ہے۔ جب وہ زندگی کو خزاں سے تعبیر کرتے ہیں تو بہار کی آرزو بھی کرتے ہیں۔ نثار احمد قریشی لکھتے ہیں:

اداس نظر، چشمِ تصور بنتی تو شاعر "یاد" کی دنیا بسا تا ہے مگر یہ اداس نظر کبھی محرومی نظر بن جائے تو اسے تمام کائنات حزو یاس میں ڈوبی ہوئی نظر آتی ہے۔ محرومی نگاہ، داخلی تنہائی اور باطنی کرب و اضطراب کے اظہار کی ایک رمزی علامت کی صورت اختیار کر لیتی ہے اور شاعر جلوہ نظر اور نگاہ تغافل شعار کا ماتم کرتا ہے۔^{۱۵}

اب کہاں جائیں تیرے درد کے مارے اے دوست
کلفتِ زیت تری یاد تک آپہنچی ہے^{۱۶}

صوفی صاحب کی غزل میں ان کے جمالیاتی تصور کی جھلکیاں نظر آتی ہیں۔ وہ نہ صرف محبوب کے حُسن کی بات کرتے ہیں بلکہ ایک جمالیاتی کیفیت بھی تخلیق کرتے ہیں۔ صوفی صاحب کے نزدیک تصورِ حُسن در حقیقت حسنِ نظر سے عبارت ہے۔ رنگینیِ جمال اور محبوب کے لب و رخسار کی حقیقتِ حُسنِ نظر میں پنہاں ہے اس لیے حسن کسی حجاب سے چھپ نہیں سکتا بلکہ ہر حجاب اس کے لیے گہنا بن جاتا ہے۔ حُسن ہی زندگی کو سوز اور تپش فراہم کرتا ہے اور زندگی کی رونقوں کا باعث بنتا ہے

حُسن نے کتنے حجابوں سے اٹھائے ہیں نقاب
ہے وہی تشنگی شوق کا انداز ابھی^{۱۷}

پردوں میں عریاں تھا حُسن
جلووں میں مستور ہوا^{۱۸}

محسوس یہ ہوتا ہے کہ دنیا کی بہاریں
اس گلگدہ ناز کے سائے کے تلے ہیں^{۱۹}

تھی کائناتِ حُسن کی سادہ سی ایک جھلک
ہم نے نگاہِ شوق سے کیا کیا بنا لیا۔^{۲۰}

حُسن چاہے محبوب کی ذات کا ہو یا کائنات کے شاعر کے دل پر کیف طاری کر دیتا ہے اور شاعر کے جذبہٴ عشق کو مہمیز کرتا ہے۔
محبوب کے حُسن کا سحر ہی شاعر کو واقفِ محبت کرتا ہے اور افسونِ تمنا سے حُسن کو بے تابی اور عشق کو زیبائی عطا کرتا ہے۔

وہ مست نگاہیں ہیں یا وجد میں رقصاں ہے
تسنیم کی لہروں میں فردوس کی رعنائی^{۲۱}

صوفی صاحب کے نزدیک عشق ایک کٹھن راستہ ہے جو درد سے عبارت ہے تاہم ان کے نزدیک حسن و عشق میں کچھ زیادہ فرق نہیں ہے، عشق جان پر کھیل جانے کا دوسرا نام ہے۔ عشق اپنی اشک ریزیوں سے حُسن کی آبرو اور وقار کو بڑھاتا ہے۔ معاملاتِ حسن و عشق کے حوالے سے صوفی صاحب نے متعدد کیفیات کا ذکر کیا ہے۔ کبھی وہ راہِ عشق کی آزمائشوں کی بات کرتے ہیں، کبھی محبوب کے تغافل کش رویے کی شکایت اور کبھی عاشق کی نارسائی کا اظہار کرتے ہیں تاہم ان کا یہ بھی خیال ہے کہ عشق کے بغیر شاعری ممکن نہیں ہے۔

دل تبسم کسی کو دو پہلے
مفت میں شاعری نہیں ہوتی^{۲۲}

عشق کو کلفتِ دیرینہ سے آزاد کریں
آنیاءِ درد، نیا غم کوئی ایجاد کریں^{۲۳}

صوفی غلام مصطفیٰ تبسم کی غزل کا موضوع چاہے عشق و محبت ہو یا ہجر و فراق کا تصور، چاہے وہ غمِ جاناں کی بات کریں یا غمِ دوراں کی، زندگی کی تنہائیوں اور درد و غم پر نوحہ کننا ہوں یا امیر و پیہم کا پیغام دیں ان کا اپنا ایک مترنم سارچا ہوا منفرد انداز ہے۔ دھیمپن اور نرمی ان کی غزل کی خاص خوبی ہے۔ ترقی پسندی کی مقبولیت کے عہد میں بھی جذبوں کی آنچ سلاگئے رکھنا، کلاسیکیت کے رچاؤ کو غزل میں سموئے رکھنا صوفی صاحب کا ہی اعجاز تھا۔ صوفی صاحب کے کلام میں کلاسیکی رنگ کے برقرار رہنے کی وجہ فارسی شاعری پر ان کی گرفت بھی ہے۔ فارسی کے ساتھ ساتھ پنجابی زبان و ادب سے گہرے لگاؤ نے بھی ان کے اسلوب کو انفرادیت عطا کی۔ ڈاکٹر طارق ہاشمی صوفی صاحب کے اس تجربے کے حوالے سے لکھتے ہیں:

پنجابی بحر کو اردو غزل میں برتنے کی یہ جدت یقیناً عروضی لحاظ سے تاریخ ساز ہے۔ صوفی تبسم نے پہلے کسی اور شاعر نے یہ تجربہ نہیں کیا بلکہ بعد میں بھی معدودے چند شعراء ہی اس بحر میں طبع آزمائی کر سکے ہیں۔^{۲۴}

ہیر وارث شاہ کی بحر میں صوفی صاحب نے اردو غزل کسی جس کے چند اشعار درج ذیل ہیں۔

ترے بزم میں آنے سے اے ساتی چمکے میکدہ جام شراب چمکے
 ذرہ ذرہ نظر آئے ماہ پارہ گوشہ گوشہ مثل آفتاب چمکے
 میخوار ہیں سارے اداس بیٹھے سونی پڑی ہے تیرے بغیر محفل
 تو جو آئے جو ساغر و جام چھلکے تو پلائے تو رنگِ شباب چمکے
 شبِ ہجر کی یاس انگیزیوں میں ابھری اس طرح سے یاد وصال تری
 جیسے شام کی دھندلی روشنی میں دور اک موجِ سراب چمکے^{۲۵}

صوفی صاحب نے اپنی غزل میں کئی منفرد تجربے کیے جن میں سے ایک تجربہ یہ بھی ہے کہ پوری غزل کے ہر شعر کے دونوں مصرعے ایک جیسے الفاظ سے شروع ہوتے ہیں۔ ایک غزل کی مثال ملاحظہ کیجیے۔

یہ کیا کہ اک جہاں کو کرو وقفِ اضطراب
 یہ کیا کہ ایک ول کو شکیبانہ کر سکو
 میرے سوا کسی کی نہ ہو تم کو جیتو
 میرے سوا کسی کی تمنا نہ کر سکو
 اللہ کرے جہاں کو مری یاد بھول جائے
 اللہ کرے کہ تم کبھی ایسا نہ کر سکو^{۲۶}

خواجہ محمد زکریا صوفی صاحب کی غزل کی متنوع جہات کے بارے میں لکھتے ہیں:

صوفی صاحب کے ہاں کلاسیکی غزل کے موضوعات کا گہرا پر تو ملتا ہے۔ وہ فارسی اور اردو کے وسیع مطالعہ استاد تھے۔ اس لیے اس شعر گوئی میں فارسی اور اردو کے اہم شعرا کے مضامین و اسالیب کی پیروی کرتے رہے۔ عشقِ مجازی کے اشعار زیادہ تعداد میں ہیں۔ تصوف کے روایتی مضامین بھی ملتے ہیں۔ خمریات کی طرف بھی توجہ کی سماجی حقائق بھی کہیں کہیں بیان کیے ہیں۔^{۲۷}

صوفی غلام مصطفی تبسم کی غزل کے مضامین و اسالیب میں تنوع کی ایک وجہ ان کے تراجم بھی ہیں۔ انھوں نے امیر خسرو، غالب اور اقبال جیسے شعرا کے منظوم تراجم کیے۔ فارسی شاعری کو کبھی اردو اور کبھی پنجابی کے قالب میں اس طرح ڈھالا کہ وہ خیال بڑی روانی کے ساتھ دوسری زبان میں ڈھل گیا۔ امیر خسرو، غالب اور اقبال کا تخیل صوفی صاحب کے تخیل میں ڈھل گیا۔ بڑے بڑے تابعہ شعرا کے تجربات صوفی صاحب کا تجربہ بن گئے۔ ان شعرا کا اسلوب اور تخیل مکمل طور پر صوفی صاحب کی گرفت میں آجاتا ہے اور کلام کی لطافت، شیرینی اور نزاکت برقرار رہتی ہے۔ امیر خسرو کی غزلوں کے ترجمے سے چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

امیر خسرو:

دل فن گاہ فرامیدش از دست برفت
ہر کجا پائی نھاد است من آنجا بینم

صوفی غلام مصطفی تبسم:

یہ ترا حسن خرام اور یہ دل کا عالم
کہ میں مہبوت ترا نقش کف پا دیکھوں^{۲۸}

امیر خسرو:

پیار ساقی و جام شراب در گردان
خراب کردہ خود را خراب تر گردان

صوفی غلام مصطفی تبسم:

اٹھا صراحی، یہ جام شراب بھر کر دے
خراب حال کو اپنے، خراب تر کر دے^{۲۹}

علامہ اقبال کی فارسی غزل کا اردو ترجمہ ملاحظہ کیجیے۔

علامہ اقبال:

بتانِ تازہ تراشیدہ کی درلغ از تو
درون خویش نگاہ دیدہ کی درلغ از تو

چنان گداختہ کی از حرارت افرنگ
ز چشم خویش ترا ویدہ کی درلغ از تو

صوفی غلام مصطفی تبسم:

ہر گھڑی اک نیابت تو نے ترا اٹھا افسوس!
اپنے دل کو نہ کبھی تو نے کرید افسوس!
اتنا پگھلا دیا افرنگ کی گرمی نے تجھے
اپنی آنکھوں سے تو خود آپ ہی ٹپکا افسوس! ۲۰

حوالہ جات

- ۱۔ صوفی غلام مصطفی تبسم، کلیاتِ صوفی تبسم (لاہور: ناوار پبلشرز، ۱۹۹۰ء) ص ۱۱۳۔
- ۲۔ علی محمد خان، لاہور کا دبستانِ شاعری (لاہور: نشریات، ۲۰۰۸ء)، ص ۳۸۲۔
- ۳۔ صوفی غلام مصطفی تبسم، سپوزیم مشمولہ نقوش، غزل نمبر (لاہور: ادارہ فروغ اردو، ۱۹۶۰ء)، ص ۶۳۲۔
- ۴۔ حمیدہ شاہین، مطالعہ مضامین (لاہور: پیس پبلی کیشنز، ۲۰۲۰ء)، ص ۸۔
- ۵۔ صوفی غلام مصطفی تبسم، کلیاتِ صوفی تبسم، ص ۲۳۵۔
- ۶۔ ایضاً، ص ۱۹۲۔
- ۷۔ ایضاً، ص ۱۱۲۔
- ۸۔ صوفی غلام مصطفی تبسم، سپوزیم مشمولہ نقوش، غزل نمبر، ص ۶۳۴۔
- ۹۔ صوفی غلام مصطفی تبسم، کلیاتِ صوفی تبسم، ص ۱۶۵۔
- ۱۰۔ ایضاً، ص ۱۸۰۔
- ۱۱۔ ایضاً، ص ۱۴۵۔
- ۱۲۔ ایضاً، ص ۱۳۹۔
- ۱۳۔ ایضاً، ص ۱۴۰۔
- ۱۴۔ ایضاً، ص ۱۸۵۔

- ۱۵۔ نثار احمد قریشی، ص ۱۴۹۔
- ۱۶۔ صوفی غلام مصطفیٰ تبسم، کلیاتِ صوفی تبسم، ص ۱۶۲۔
- ۱۷۔ ایضاً، ص ۲۰۷۔
- ۱۸۔ ایضاً، ص ۲۱۳۔
- ۱۹۔ ایضاً، ص ۲۱۰۔
- ۲۰۔ ایضاً، ص ۲۳۶۔
- ۲۱۔ ایضاً، ص ۱۱۴۔
- ۲۲۔ ایضاً، ص ۱۷۳۔
- ۲۳۔ ایضاً، ص ۲۰۶۔
- ۲۴۔ طارق ہاشمی، اردو غزل نئی تشکیل (اسلام آباد: نیشنل بک فاؤنڈیشن، ۲۰۰۸ء)، ص ۱۵۳۔
- ۲۵۔ صوفی غلام مصطفیٰ تبسم، کلیاتِ صوفی تبسم، ص ۱۰۷۔
- ۲۶۔ ایضاً، ص ۱۳۲۔
- ۲۷۔ خواجہ محمد زکریا، غزل گوئی مشمولہ تاریخ ادبیاتِ مسلمانانِ پاک و ہند، جلد پنجم (لاہور: پنجاب یونیورسٹی، ۱۹۷۲ء)، ص ۳۰۸۔
- ۲۸۔ صوفی تبسم، دوگونہ (دہلی: کتابی دنیا، ۲۰۰۵ء)، ص ۱۸، ۱۹۔
- ۲۹۔ ایضاً، ص ۷۶، ۷۷۔
- ۳۰۔ صوفی غلام مصطفیٰ تبسم، کلیاتِ صوفی تبسم، ص ۳۹۱۔
- ۳۱۔ نثار احمد قریشی، ص ۱۸۱۔